استعماری حکمتِ عملی اور راہِ انقلاب

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کی چند جھلکیاں

پروفیسر خورشید احمد

دِل توڑ گئی ان کا دوصدیوں کی غلامی دارُو کوئی سوچ اُن کی پریشاں نظری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت! دے اُن کو سبق خودشکنی ، خودنگری کا

ظلم و استبداد اور تخریب و فساد کی داستان بڑی عبرت انگیز ہے۔ تاریکی کے علَم بردار ہمیشہ 'خیر و صلاح' اور 'ہمدردی' کا لبادہ اُوڑھ کر آتے ہیں۔ ظلم اپنے کریہہ چہرے پر نیکی ہی کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ بدی نے نیکی کا پہلا استحصال اس دن کیا تھا، جب شیطان نے آدمؑ و حواؑ کو خیرخواہی کے پردے میں گمراہ کیا اور ملکیت اور اَبدیت کے نام پر عدمِ اطاعت کے لیے اُکسایا۔ یہ نیکی اور حق کا اعتراف بھی تھا اور شیطنت و گمراہی کے طریقِ کار کا اظہار بھی۔

نیکی پر بدی کی اس دست درازی ہی کا نتیجہ دھوکا اور نفاق ہیں، جو آغازِ تاریخ سے آج تک ظلم و گمراہی کے بہترین رفیق کار بھی رہے ہیں اور آزمائے ہوئے ہتھیار بھی۔ ظلم و استبداد انھی بیساکھیوں کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی ملک، کسی دور، کسی قوم اور کسی دائرۂ کار کو بھی لے لیجیے، شکلیں بدلی ہوئی ہوسکتی ہیں لیکن ظلم و باطل کے حربے ہمیشہ یہی رہے ہیں اور رہیں گے ع

شراب ایک ہے بدلے ہوئے ہیں پیمانے

1

مغربی سامراج تجارتی سرگرمیوں کا بھیس بدل کر برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوا اور دو سو سال کی پیچ در پیچ ریشہ دوانیوں کے ذریعے پورے ملک پر قابض اور حکمران ہوگیا۔ استعمار نے یہ سارا کھیڑ

اس دعوے کے ساتھ کیا تھا کہ وہ یہاں کے باشندوں کو تہذیب کا درس دے۔ اس مقصد کے لیے Civilising Mission اور White-Man's Burden جیسے پُرکشش نعرے وضع کیے گئے اور نصف دنیا کو اپنا محکوم بنا لیا گیا۔ بُرے کاموں کے لیے اچھے ناموں کا استعمال، مذموم مقاصد کے لیے حسین اصطلاحات کی تراش خراش، ظلم و استبداد کے لیے لطیف سے لطیف وجۂ جواز، دوسروں کو غلام بنا کر انھی کے مفاد کے تحفظ کا ڈھونگ رچانا، سامراجی اور استبدادی قوتوں کا شعار رہا ہے۔

آزادی کے نام پر دوسروں کو آزادی سے محروم کرنا، تہذیب و تمدن کے فروغ کے نام پر تہذیب کی تمام اَقدار کو پامال کرنا، تعلیم کے نام پر علم کی شمعیں گُل کرنا، ترقی کے نام پر سرمایۂ حیات کو لوٹ لینا، امن و آشتی کے نام پر قوموں اور ملکوں کو تاراج کرنا، جمہوریت کے فروغ کی خاطر جمہور کا خون چُوس لینا، مضبوط حکومت کی ضرورت کے نام پر انسانی حقوق کو روند ڈالنا ـــــ یہ ہے سامراجی استبداد کی پوری تاریخ اور اس کے اندازِ کار کا خلاصہ۔ ہر ملک میں مغربی سامراج نے یہی کیا، اور برعظیم پاک و ہند کی سرزمین بھی اسی ظلم و فساد، دھوکے اور بے رحمانہ نفاق کی آماج گاہ بنی اور ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھا کہ:

یہ صحن و روش، یہ لالہ و گُل، ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تعمیر جنوں کے پردے میں، تخریب کے ساماں ہوتے ہیں

استبدادی نفسیات

یہی وہ ذہن ہے جس کی عکاسی مشہور برطانوی ادیب جارج برنارڈ شا [م: ۲ نومبر ۱۹۵۰ء] نے اپنے مشہور ناول *The Man of Destiny* (۱۸۹۶ء) میں ایک مقام پر اس طرح کی ہے:

> ہر انگریز پیدایشی طور پر خزانۂ اَبد سے دُنیا کا حاکم اور آقا بننے کی معجزانہ قوت لے کر آتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو کبھی یہ نہیں کہتا کہ میں اس کو چاہتا ہوں، بلکہ وہ خاموشی سے صبر کرتا اور پورے اطمینان کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں یہ یقین کامل القا ہوتا ہے [یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ نازل کہاں سے ہوتا ہے؟] کہ: 'یہ اس کی اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری ہے، اِن لوگوں کو فتح کرے، جن کے پاس وہ شے ہے'۔ یہ احساس شدید تر ہوتا ہے اور بالآخر ناقابلِ ضبط ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے

کہ مفید مطلب اور اخلاقی رویے کے باب میں وہ کبھی کوتاہ دامن نہیں رہتا۔ آزادی اور قومی حُریت کے علَم بردار ہونے کی حیثیت سے وہ آدھی دُنیا کو ہڑپ کر جاتا ہے اور اس کا نام رکھتا ہے 'نئی آبادی'۔ جب اسے اپنی مانچسٹر کی ملاوٹ زدہ مصنوعات کے لیے ایک نئی منڈی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس سرزمین کے باسیوں کو صحیفۂ امن کے اسرار و رُموز سکھانے کے لیے مشنریوں کو بھیج دیتا ہے۔ وہاں کے باشندے مشنری کو قتل کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً مذہب خطرے میں پڑ جاتا ہے اور عیسائیت کی حفاظت و مدافعت کے لیے فوجیں دوڑ پڑتی ہیں، اُس کی خاطر جنگ ہوتی ہے اور ملک فتح کیا جاتا ہے۔ رہی تجارتی منڈی تو وہ تو عطیۂ خداوندی کی حیثیت سے آپ اس کی جھولی میں آ پڑتی ہے۔ [1]

پھر مذکورہ بالا 'اعلیٰ مقاصد' ہی کے لیے اس تسلط کو برقرار، مستحکم اور مضبوط کیا جاتا ہے۔ ملک کے اصلی باشندوں کی خیرخواہی میں بیرونی راج کو طویل سے طویل تر کیا جاتا ہے۔ آزادی کی

---

[1] برنارڈ شا نے لکھا:

"Every Englishman is born with a certain miraculous power that makes him master of the world. When he wants a thing, he never tells himself that he wants it. He waits patiently until there comes into his mind, no one knows how, a burning conviction that it is his moral and religious duty to conquer those who have got the thing he wants. Then he becomes irresistible. Like the aristocrat, he does what pleases him and grabs what he wants: like the shopkeeper, he pursues his purpose with the industry and steadfastness that come from strong religious conviction and deep sense of moral responsibility. He is never at a loss for an effective moral attitude. As the great champion of freedom and national independence, he conquers and annexes half the world, and calls it Colonization. When he wants a new market for his adulterated Manchester goods, he sends a missionary to teach the natives the gospel of peace. The natives kill the missionary: he flies to arms in defense of Christianity, fights for it, conquers for it and takes the market as a reward from heaven". (*Democracy and its Rivals by* Christopher Lloyd, Longman, London, 1943, p31).

تحریکوں کو 'بغاوت' کا نام دے کر کچلا جاتا ہے۔ عوام کو سیاسی نابالغی کے نام پر بنیادی حقوق سے محروم کیا جاتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے نام پر ذہنی، فکری اور تمدنی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط تر کیا جاتا ہے، اور اگر مجبور ہوکر کچھ مطالبات ماننے پڑتے ہیں تو اس 'مجبوری' کو انسانیت پرستی، حُریت پسندی، وسعتِ قلبی اور بالغ نظری کے خوب صورت ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ کل کا انگریزی استعمار ہو یا فرانسیسی یا روسی اور اطالوی یا پھر آج کا امریکی استعمار ـــــ سب کا کردار، مقاصد اور اندازِ کار ایک ہی جیسا ہے۔

استبداد کا دریا ہمیشہ اسی رُخ پر بہتا ہے!

ظلم اور اُس کے ہتھیار

انسان کی فطرت راستی اور نیکی پر قائم ہے۔ ایک ہی قانون ہے جو فرد کی پوری زندگی میں اور کائنات کے سارے نظام میں جاری و ساری ہے۔ ہر وہ راستہ جو اس فطرت کے مطابق ہے، خیر و فلاح کا راستہ ہے۔ اسے اختیار کرنا آسان اور سہل ہے اور اس کے نتائج سب کے لیے نافع اور اطمینان بخش ہیں۔ ظلم، اس فطرت سے انحراف اور اس کے خلاف بغاوت کا نام ہے۔ چونکہ یہ انحراف دل و دماغ اور انسان کی فطری کیفیت اور طبیعت کے خلاف ہے، اس لیے اسے بروے کار لانے کے لیے وہ ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں جو فطرت کو مسخ کریں۔ بنیادی طور پر یہ ذرائع دو قسم کے ہیں: وہ جو دھوکے اور جھوٹ سے عبارت ہیں، اور دوسرے وہ جن کا سرچشمہ جبر اور تشدد ہیں۔

جھوٹ اور دھوکے کے ذرائع سے عقل و ذہن کو غلط راستے پر ڈالا جاتا ہے، قلب و روح کو مسخ کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو اختیار و ارادہ دیا ہے، اس کے ناروا، غلط اور ناجائز استعمال کی راہ پیدا کی جاتی ہے۔ اگر جھوٹ اور دھوکے کے حربے کامیاب نہ ہوں تو پھر جبر و تشدد کے ہتھیاروں سے فطرت کو انحراف پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ترغیب و ترہیب، غلط بیانی، جھوٹ، دھوکا، فریب، ظلم و زیادتی، جبر و تشدد اور شقاوت و استبداد ہی وہ ہتھیار ہیں، جو اہلِ باطل نے ہمیشہ، ہر دور میں، اور ہر مقام پر استعمال کیے ہیں۔ یہی کچھ ماضی میں کیا جاتا رہا، یہی حال میں کیا جارہا ہے، اور یہی مستقبل میں کیا جاتا رہے گا۔ انھی ہتھیاروں کو برطانوی سامراج اور اس کی

تہذیبی اور سیاسی ذُریت نے حکومت اور اقتدار کے نشے میں اس برصغیر کے باشندوں کے خلاف استعمال کیا اور یہی ہتھیار آج کی استعماری قوتیں استعمال کر رہی ہیں، خصوصیت سے 'امریکا سب سے پہلے' اور 'دہشت گردی' کو نیست و نابود کرنے کے نام پر مغربی اقوام اور مسلح افواج کی خونیں کارگزاریاں۔

2

استعمار کے خطرناک کھیل کو سمجھنے کے لیے برطانیہ کی برصغیر پاک و ہند میں سامراجی حکمت عملی کو سمجھنا بہت ضروری اور چشم کشا ہے۔

برطانیہ کے اربابِ اختیار جس طریقے سے اس ملک پر غالب آئے، اس کی داستان بڑی شرم ناک ہے۔ انھیں اس ملک کے باشندوں نے دعوت نہ دی تھی، خود منتخب نہ کیا تھا، بلکہ پسند تک نہ کیا تھا۔ ہاں، البتہ ان سے جو عظیم گناہ سرزد ہوا، وہ یہ تھا کہ سامراجیوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر چند بدیسیوں کو کچھ حقوق اور تحفظات دے دیے تھے ـــــ اور یہ حقوق اور تحفظات بھی بڑی حد تک تجارت اور تجارتی اثاثے کی حفاظت سے متعلق تھے، مگر وہ ایسا دروازہ بن گئے، جن سے استعماری قوتیں داخل ہوکر دو صدیوں کے لیے قابض حکمران بن گئیں، اور جس ذہنیت کو انھوں نے پروان چڑھایا وہ استعمار کے سیاسی غلبے کے ختم ہوجانے کے باوجود ذہنی اور تہذیبی غلامی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ آج 'گلوبلائزیشن' (عالم گیریت) اور 'معاشی امداد' کے حسین ناموں سے یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

عیارانہ چالوں سے آمد

بس یہی وہ چیز تھی، جس نے ہمارے دروازوں کو غیروں کے لیے کھول دیا۔ ان کی تجارتی کوٹھیوں [یعنی سامراجی تجارتی کمپنیوں] کا اثر و نفوذ بڑھنا شروع ہوا، اور سیاسی چالوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اہلِ ملک کے ایک طبقے کو دوسرے کے خلاف صف آرا کیا جانے لگا۔ غداروں کو چھانٹ چھانٹ کر بلند مناصب پر بٹھایا گیا۔ مقامی افواج میں بغاوت اور بے وفائی کی سرنگیں لگائی گئیں۔ یہ کھیل تقریباً دو سو سال تک کھیلا گیا اور بالآخر لومڑی کی یہ عیّارانہ چالیں شیر کو چاروں شانے چت گرانے میں کامیاب ہوگئیں۔

ظلم اور تشدد

اربابِ ظلم کی ہمیشہ سے یہ روش رہی ہے کہ وہ فوج کے غلط استعمال اور بالواسطہ قسم کے ہتھکنڈوں کے استعمال سے اپنے اقتدار کا تخت بچھاتے ہیں۔ بہادر انسانوں کی طرح میدان میں مقابلہ کرنے کے بجاے محلاتی سازشوں کے ذریعے اپنا تسلط قائم کرتے ہیں۔

اقتدار پر متمکن ہوجانے کے بعد سامراجی حکمرانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنے اہم ترین مخالف کی کمر توڑنا تھا۔ ظاہر ہے یہ مخالف مسلمان تھا، جو اس ملک پر تقریباً آٹھ سو سال سے حکمران تھا اور جو غلامی کے ساتھ خود کو سازگار بنانے کے لیے کسی قیمت پر تیار نظر نہ آتا تھا۔ رہ رہ کر بغاوت اور مہم جوئی کے ذریعے کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی تمام کوششوں کو جبر وقوت اور چالاکی اور عیاری کے ذریعے کچلا گیا۔ سیّداحمد شہید [م: ۶ مئی ۱۸۳۱ء] کی سربراہی میں 'تحریکِ مجاہدین'، حاجی شریعت اللہ [م: ۱۸۴۰ء] کی قیادت میں 'فرائضی تحریک'، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، خیبر پختونخوا میں ۱۸۶۳ء میں امبیلا کی سرفروشانہ جنگیں، موپلوں کی بغاوت اور بے شمار مقامی نوعیت کی لہوگرمانے والی لڑائیاں اس جدوجہد کا عنوان ہیں۔ ان سب کو قوت وتشدد کے ساتھ کچل کر مسلمانوں کی کمر توڑ دی گئی۔ آزادی وحُریت کی شاہراہ پر گام زن لاکھوں جاں بازوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ ان کے پورے کے پورے خاندانوں کو تہِ تیغ کیا گیا۔ پورے ملک پر خوف اور دہشت کی ایک فضا قائم کرنے کے بعد، اس زخم خوردہ شیر کے دست و بازو بھی کاٹ دیے، تاکہ اسے مقابلے کے لائق ہی نہ چھوڑا جائے۔

یہ بھی اربابِ ظلم کا دائمی طریقہ ہے کہ وہ فتح و کامیابی اور استحکامِ اقتدار کے بعد شریف انسانوں اور جواں مردوں کی طرح مخالفین کے ساتھ عزت اور احسان کا رویّہ اختیار نہیں کرتے بلکہ اُن کے نام ونشان کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اور جہاں کہیں اختلاف کی بُو بھی سونگھ لیتے ہیں وہاں تشدد کی انتہا کر دیتے ہیں۔

پیٹ کی مار

سامراجی قوتیں صرف اسی پر رضامند نہ ہوئیں بلکہ اپنے اس اہم حریف کو اجتماعی زندگی

کے تمام شعبوں سے بے دخل کرنے اور اُس کی آنے والی نسلوں کو بے حیثیت اور غیر مؤثر کر دینے پر تُل گئیں۔ اُن تمام صنعتوں کو تباہ کیا گیا، جن کے ذریعے قوم کو معاشی استحکام حاصل تھا۔ ماہرین فن اور کاری گروں کے ہاتھ تک کاٹ دیے گئے۔ زرعی نظام کی قلبِ ماہیت کی گئی اور اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کے لیے زمین داری کا دوامی [یعنی مستقل] نظام قائم کیا۔ اس طرح جاگیرداری نظام کو قائم کیا گیا، جو برطانوی راج کا ستون بن گیا۔

پھر مسلمانوں کو معاشی، سیاسی، عدالتی، انتظامی، غرض زندگی کے ہر شعبے سے بے دخل کیا گیا۔ ان پر ملازمتوں کے دروازے بند کیے گئے۔ تجارت وصنعت کو تباہ کیا گیا، جو افراد پہلے سے اجتماعی زندگی میں ایک مقام رکھتے تھے، ان کو آہستہ آہستہ مٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلم اقوام کو شہ دی گئی۔ آخرکار یہ حالت ہوگئی کہ ملک کی سرکاری مشینری میں مسلمانوں کا تناسب ۵، ۶ فی صد سے بھی کم رہ گیا اور وہاں بھی جو آسامیاں ان کے پاس تھیں، وہ اعلیٰ انتظامی عہدے نہیں تھے بلکہ وہ صرف کلرک، محرر، چپراسی اور خاکروب بن کر رہ گئے۔ [1]

گویا اس شکست کھائے ہوئے شیر کو صرف پنجرے میں بند ہی نہیں کیا، بلکہ اس کو پیٹ کی مار بھی دی گئی، تاکہ اس کے قویٰ دوبارہ مجتمع ہی نہ ہوسکیں۔ ظالم حکمرانوں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ وہ سیاسی لڑائی کے لیے معاشی میدان میں بھی دندناتے ہوئے اُترتے ہیں اور اپنے مخالفین کے لیے نہ صرف معاش کے دروازے بند کرتے ہیں بلکہ تجارت، صنعت، ملازمت، غرض ہر شعبے سے ان کو چُن چُن کر نکال باہر پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دین سے محبت نکال دو

بات یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس ملک کے اصل مالکوں کے ذہن سے آزادی اور خودمختاری کے احساس ہی کو مٹانے کے لیے تعلیم وتربیت اور پروپیگنڈے اور نشرواشاعت کا ایک ہمہ گیر پروگرام اختیار کیا گیا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ فرد جو غلامی کو قبول نہیں کر رہا ہے،

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، The Indian Mussalmans ● The Report of the Committee of the Central National Mohammadens Association 1885-89. ● رام گوپال: Indian Muslims, A Political History.

اسے زیر کرنے کے لیے اس کے ذہن کو غلام بنالیا جائے، جو اُس کے جسم پر حکمرانی کرتا ہے۔ اس طرح نئی نسلوں کے فکر ونظر کو بدل دیا جائے، تاکہ 'باغیوں' کی اولاد کو 'غلامی کے اسرار' سکھائے جاسکیں اور اُس سرچشمے کو گدلا کر دیا جائے، جس سے زندگی اور غیرت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

اس مقصد کے لیے تعلیم کے نظام کو بدلا گیا اور اس نئے 'تیزاب' میں مسلمان کی 'خودی' کو ڈال کر ایسا ملائم بنادیا گیا کہ اسے جدھر چاہیں موڑ لیں۔ یہ تھی وہ تدبیر جس سے 'سونے کا ہمالہ' مٹی کا ایک ڈھیر بن گیا۔ اقبال نے اس چال کو ان الفاظ میں فاش کیا ہے:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر
تاثیر میں اِکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹّی کا ہے اک ڈھیر

پھر معاشرت، سماجی طور طریقے، تمدنی ادارے، غرض پوری ثقافت کو بدلنے کی کوشش کی گئی اور دینی برتری، تمدنی روایات اور عسکری روح کی جگہ آدابِ غلامی میں طاق کرنے کی کوشش کی گئی کہ:

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صُورت گری و علمِ نباتات

اصول پرستی کی جگہ موقع پرستی اور عسکریت کی جگہ بزدلی اور 'آرٹ پرستی' پیدا کی گئی۔ خارہ شگافی کی جگہ 'فنِ شیشہ گری' سکھایا گیا اور پروپیگنڈے اور نشرواشاعت کے سارے دروازے اس مقصد کے لیے استعمال کیے گئے کہ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

غرض غلامی کی نفسیات کو اس کی رگ وپے میں سرایت کر دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی:

بہتر ہے کہ شیروں کو سِکھا دیں رمِ آہُو باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

یعنی یہ شیر، شیر ہی نہ رہے بلکہ اس میں بکری کا ذہن پیدا ہوجائے اور یہ اُسی کی طرح ممیانے لگے۔ ظالم حکمرانوں کی یہ بھی روش ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو اپنے خیال میں مستقل اور دائمی کرنے کے لیے قوم کے 'نفسیاتی قتل' کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں سے بہادری، شجاعت،

اصول پرستی، عزتِ نفس، خودداری، حق پسندی، جفاکشی اور جذبۂ جہاد کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے غلط تعلیم اور اخلاق باختہ ثقافت کے ذریعے لذت پرستی، مفاد پرستی، بزدلی اور خوشامد کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ امراض پوری قوم کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں اور سیرت کی وہ بنیادیں ہی ختم ہوجاتی ہیں، جن سے قوم میں وہ افراد پیدا ہوسکیں جو بلند کردار، وفاشعار، اصولوں کے پرستار اور حق کے فداکار ہوں اور جو ان کے ظالمانہ اقتدار کے لیے خطرہ ثابت ہوسکیں۔

من پسند تاویلیں

پھر چوں کہ سامراجی حکمران یہ بات اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کی قوت کا اصل سرچشمہ ان کا دین اور اس دین سے والہانہ وابستگی ہے، اس لیے ایک طرف ان کو اس سرچشمے سے کاٹنے کی کوشش کی، تو دوسری طرف یہ انتظام کیا کہ جس سے ایسے لوگ اُبھریں، جو قرآن وسنت کی تعلیمات کو مدافعت پسندوں (Apologists) کی معذرت خواہانہ تاویلات کے پھندے میں جکڑنے کی کوششیں کریں۔ تیسری جانب اسلام کے احکامات کو متجدّدین (Revisionists) کے ہاتھوں مسخ کرکے حکمرانوں کے لیے مفید مطلب بنادیں، جہاد کو منسوخ بتائیں اور سود کے جواز کا فتویٰ دیں۔ ناچ رنگ، مصوری اور مجسمہ سازی کی گنجایش پیدا کریں اور سب سے بڑھ کر اُمت کی بنیادوں ہی کو منہدم کرڈالیں۔ یہی نہیں بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک 'جعلی نبوت' کا بُت تراشیں ـــــ اور جو اس مذہبی 'جعل سازی' کی مخالفت کرے اسے تنگ نظر، دقیانوس، مذہبی جنونی اور کٹھ مُلّا قرار دے کر نکّو بنادیں۔

اس طرح 'دینِ شیری' محض ایک 'فلسفۂ روباہی' بن کر فرعونی قوت کا مرید ہوجائے:

دینِ شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ دیکھتے ہیں فقط اک فلسفۂ رُوباہی
ہو اگر قُوّتِ فرعون کی درپردہ مُرید قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی

اہلِ ظلم کا یہ بھی ایک مخصوص حربہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی مفاد کی خاطر محکوم قوم کے دین تک کو بچوں کا کھیل بنادیتے ہیں اور سرکاری خزانے اور اثر ورسوخ کو استعمال کرکے احکامِ دین کو مسخ کراتے ہیں، من مانی تاویلات کراتے ہیں، اور اہلِ مذہب میں سے مفاد پرستوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان کے ہر غلط اقدام کے لیے دین کی 'سند' گھڑ کر پیش کریں۔

موقع پرستوں کی قیادت

ملک کی قیادت میں انتشار پیدا کرنے اور میدان کو اپنے لیے ہموار کرنے کے لیے برطانوی سامراج نے ایک طرف قوم کے جوہرِ قابل کو چُن چُن کر قتل کیا، جلاوطن کیا، یا جیلوں میں ڈال دیا۔ دوسری طرف اہلِ وطن ہی میں سے اُن عناصر کو، جو ذاتی مفاد کی خاطر سب کچھ، حتیٰ کہ اصولِ دین اور قوم کا مفاد تک قربان کرنے کو تیار ہوتے گئے، چھانٹ چھانٹ کر اُوپر لانا شروع کیا۔ زمین داروں اور جاگیرداروں کی کھیپ تیار کی گئی۔ خان بہادروں اور خاں صاحبوں کی ایک فوجِ ظفر موج میدان میں اُتاری گئی۔ وہ جنھوں نے اپنا 'سر' برطانوی سامراج کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا، ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر لایا گیا، تاکہ اصول کے لیے جان کی بازی لگا دینے والوں کی جگہ ملک کی قیادت ایسے بے ضمیر موقع پرستوں کے ہاتھوں میں آجائے:

ترے بلند مناصب کی خیر ہو، یاربّ! کہ ان کے واسطے تُو نے کیا خودی کو ہلاک
شریکِ حُکم غلاموں کو کر نہیں سکتے خریدتے ہیں فقط اُن کا جوہرِ اِدراک!

نااہل موقع پرستوں کو قیادت کے مناصب پر فائز کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے گرد خوشامدیوں کا ایک لشکر جمع کر لیتے ہیں۔ وہ گاڑی جو صلاحیت اور تدبیر سے نہیں چلائی جاتی اسے خوشامدی اور حاشیہ نشین کھینچ کھینچ کر آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح قوم کا مزاج بگاڑ کی انتہائی پستیوں کو چھونے لگتا ہے:

کر تُو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد دستور نیا ، اور نئے دَور کا آغاز
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت کہہ دے کوئی اُلّو کو اگر 'رات کا شہباز!'

اور یہ سب کچھ اس لیے کہ شیر کی ہر خو بو کو ختم کر کے اُسے لومڑی کے دربار کا دربان بنا دیا جائے۔ یہ بھی ظالم حکمرانوں کی فطرت ہے کہ وہ جوہرِ خالص کو تو نشانۂ ستم بناتے ہیں اور مفاد پرستوں اور خوشامدیوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے ہیں۔ انھیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں اور یہ زر پرست و زردار ہر بُرے سے بُرے مقصد کے لیے بھی آلۂ کار بننے میں فخر ہی محسوس کرتے ہیں۔

3

برطانوی سامراج نے اپنے اقتدار کو برصغیر میں قائم کرنے اور مستحکم کرنے کے لیے یہ طریقِ کار اختیار کیا۔ جھوٹ اور دھوکا، ترغیب اور پروپیگنڈے کا ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ جب اور جہاں یہ ہتھیار غیر مؤثر ثابت ہوئے، وہاں جبر و تشدد اور استبداد کے تمام ہتھکنڈے بے دریغ استعمال کیے گئے۔ عیاری اور ظلم کے باوجود جب آزادی اور حقوق کی تحریک نے قوت پکڑی اور وہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگی، تو برصغیر کی سیاسی تاریخ کے ابواب، سامراج کی تلوار اور اہلِ وطن کے خون سے لکھے گئے۔

انتظامیہ کے غیر محدود اختیارات

انگریز سامراج نے سول انتظامیہ کو غیر معمولی اختیارات سے مسلح کیا اور اس سلسلے میں متعدد قوانین بغاوت (Sedition Laws) منظور کیے، جن کی وجہ سے جلسے اور جلوس ممنوع کیے گئے۔ تقریر و تحریر پر نئی نئی پابندیاں لگائی گئیں، انتظامیہ اور پولیس کو یہ اختیارات دیے گئے کہ وہ شبہے کی بنا پر گرفتاریاں کر سکتے ہیں۔ مجسٹریٹوں کو بغیر مقدمہ چلائے اور بغیر صفائی کا موقع دیے، املاک ضبط کرنے کے اختیارات تفویض کر دیے گئے، اور جب اس پر بھی دل خوش نہ ہوا تو ۱۹۰۸ء کا 'کرمنل امینڈمنٹ ایکٹ' لایا گیا، جس کے ذریعے جس تنظیم کو چاہیں غیر قانونی قرار دیں اور جب تک چاہیں پابند رکھیں۔ جس شخص کو چاہیں، غیر قانونی سرگرمیوں کے عنوان سے گرفتار کر لیں۔ جن املاک کو چاہیں، حکومت کے قبضے میں لے لیں۔ نیز دفعہ ۱۲۴-الف کا اضافہ کیا گیا جس کی رُو سے عملاً حکومت پر ہر تنقید 'بغاوت' (sedition) کے معنی میں داخل کر دی گئی۔

اخبارات کی زبان بند

بہ جبر اخبارات کی زباں بندی اور ان پر دہشت کی فضا مسلط کرنے کے لیے فوج داری قانون کے تحت بیوروکریسی، پولیس اور مجسٹریٹوں کو اخبارات کو بند کرنے، اخبار نویسوں کو گرفتار کرنے، سیکورٹی طلب کرنے اور املاک ضبط کرنے کے اختیارات دیے گئے۔ جو کسر رہ گئی وہ ۸ جون کو Newspaper (Incitement to offences) Act 1908 کے نفاذ نے پوری کر دی۔ جس کی

رُو سے مجسٹریٹوں کو مقدمے کی سماعت سے قبل ہی پریس ضبط کرنے کا حق دیا گیا اور جس کے تحت ۱۴ سال اور ۲۰ سال تک کی قید رکھی گئی۔ پھر فروری ۱۹۱۹ء میں 'رولٹ ایکٹ' [1] پاس کیا گیا، جس نے صحافت کو اُلٹی چھری سے ذبح کر دیا اور جس کے خلاف بے مثال ملک گیر احتجاج ہوا۔

ان قوانین کو استعمال کر کے ہزاروں افراد پر مقدمے چلائے گئے اور بلاشبہہ لاکھوں افراد کو جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ ایک ایک شہر کی جیلوں میں تین تین اور چار چار ہزار آدمی بند کیے گئے۔ گرفتاریاں اس پیمانے پر ہوئیں کہ جیل کی عمارتیں ناکافی ثابت ہوئیں اور خیمے لگا کر اور فوجی کیمپ قائم کر کے آزادی کے سپاہیوں کو محبوس کیا گیا۔ [2]

قتل کے کیا کیا سامان؟

اخبارات کو بند کرنے اور ان سے ضمانتیں طلب کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا اور بلاشبہہ سامراج نے آخری ۵۰ برسوں میں سیکڑوں اخبارات اور رسائل کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ اندازہ اس بات سے کیجیے کہ:

- صرف ایک سال میں، یعنی ۱۹۳۴ء میں، صرف ایک صوبہ، یعنی بنگال میں دو ہزار ایک سو نظر بند (detenus) تھے۔ [3] یعنی وہ جو مقدمہ چلائے بغیر جیل کے باڑے میں بند کر دیے گئے تھے۔ جن پر بغاوت اور قانون شکنی (بسلسلہ سول نافرمانی) وغیرہ کے مقدمات چلے تھے، وہ الگ رہے۔ تشدد اور عدم رواداری کی انتہا یہ ہے کہ رابندر ناتھ ٹیگور

---

۱ برطانوی حکومت نے مقبوضہ ہندستان کے خاص طور پر دو علاقوں بنگال اور پنجاب میں حُریت کی تحریکوں کو کچلنے کی حکمت سازی کے لیے یہ نظریہ پیش کیا کہ: 'یہاں پر تمام بے چینی کے پیچھے جرمنی اور اشتراکی روس کے رابطے کارفرما ہیں'۔ اس مفروضے کو ثابت کرنے اور اس کا جواب تجویز کرنے کے لیے ۱۹۱۷ء میں جسٹس سڈنی آرتھر رولٹ [۱۸۶۲ء-۱۹۴۵ء] کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ فروری ۱۹۱۹ء میں اس کمیٹی کی سفارشات Rowlatt Act کے نام سے منظور اور ۱۸ مارچ کو نافذ کر دی گئیں۔

۲ پنڈت جواہر لعل نہرو [م: مئی ۱۹۶۴ء] نے اپنی کتاب *The Discovery of India* اور چودھری خلیق الزماں [۱۸۸۹ء- ۱۹۷۳ء] نے اپنی خودنوشت شاہراہِ پاکستان میں ان کی تفصیل دی ہے۔ پنڈت نہرو کے اندازے کے مطابق ایک ایک شہر سے تیس، چالیس ہزار آدمیوں کو گرفتار کیا گیا۔

۳ بحوالہ بیان سر ہنری ہیگ، وزیر داخلہ اور مجلسِ قانون ساز، ۲۳ جولائی ۱۹۳۴ء

[۱۸۶۱ء-۱۹۴۱ء] جیسے شخص کو، ایک غیر سیاسی مضمون پر وارننگ دی گئی اور جس رسالے نے اُن کا وہ مضمون شائع کیا تھا، اُس کے خلاف فوج داری بنیاد پر کارروائی کی گئی۔

- صرف پانچ سال، یعنی ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک صرف مرکزی حکومت نے ۵۱۴ اخبارات (رسائل وغیرہ کو چھوڑیئے) سے ضمانتیں طلب کیں، ۳۴۸ کی اشاعت بند ہوئی اور بطور زرِضمانت کے ۲ لاکھ ۵۲ ہزار ۸ سو ۵۲ روپے حکومت نے وصول کیے۔ [۱]
- 'کرمنل امینڈمنٹ ایکٹ' کا بڑے پیمانے پر استعمال ہوا اور صرف ۱۹۳۲ء میں کئی سو تنظیموں کو اس کے تحت غیرقانونی قرار دیا گیا۔ کانگریس کے ساتھ جن اداروں کو خلافِ قانون قرار دیا گیا اُن کی فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کی تعداد کئی سو سے تجاوز تھی۔ [۲]

یہ صرف چند برسوں کی داستان ہے۔ اسی پر پورے دورِ استبداد کا اندازہ کر لیجیے:

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

آرڈی ننس کا راج

قانون ساز اداروں میں سامراجی حکمرانوں کو قابلِ اعتماد اکثریت حاصل تھی اور اپنے من مانے قوانین بلادقّت منظور کرا سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود پورے ملک پر آرڈی ننسوں کا راج تھا۔ زندگی کے ہر شعبے کو آرڈی ننسوں کے ذریعے جکڑ دیا گیا تھا اور اسمبلیوں کی حیثیت محض ربڑ کی مہر کی ہوگئی تھی۔ سر سیموئیل ہور سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند نے برطانوی پارلیمنٹ میں کہا کہ: ''میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو آرڈی ننس ہم نے نافذ کیے ہیں، وہ نہایت سخت اور انتہا درجے کے جابرانہ ہیں۔ یہ آرڈی ننس اہلِ ہند کی زندگی کے تقریباً ہر پہلو پر حاوی ہیں''۔ [۳]

چودھری خلیق الزماں آرڈی ننسوں کے اس حربے کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ: ''گاندھی جی [۱۸۶۹ء-۱۹۴۸ء] کی گرفتاری کے بعد وائسرائے نے ایک آرڈی ننس نکال کر،

---

۱ بحوالہ مرکزی قانون ساز اسمبلی، سرکاری بیان، ۴ ستمبر ۱۹۳۵ء

۲ پنڈت نہرو، The Discovery of India، ص ۳۲۳

۳ بیان بتاریخ ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ء

کانگریس کے تمام دفتروں کو ناجائز قرار دے دیا اور انھیں بند کرا دیا۔ سول نافرمانی کرنے والوں کو اب صرف جیل کی سزا ہی نہیں دی جاتی تھی، بلکہ ان کی جایداد بھی ضبط کر لی جاتی..... وائسرائے کا یہ نیا نسخہ بہت کڑوا تھا''۔ [۱]

خون کی ہولی

بے رحم ظالموں نے اس ملک میں کیا کچھ کیا، اس کا اندازہ اُن سیکڑوں واقعات سے ہوسکتا ہے، جن میں انسانوں کے خون سے بے رحمی کے ساتھ ہولی کھیلی گئی۔ ایسے ہی واقعات میں سے ایک جلیانوالہ باغ کا واقعہ [۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء] ہے۔

فروری ۱۹۱۹ء میں منظور شدہ 'رولٹ ایکٹ' ۱۸ مارچ کو نافذ کر دیا گیا۔ جس پر ملک بھر میں احتجاج شروع ہوگیا۔ تحریکِ خلافت اور ستیہ گرہ کی تحریک، دونوں کا اثر پورے ملک میں اپنے شباب پر تھا۔ اُسی دور کے اُبھرتے ہوئے مسلمان لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو [۱۵ جنوری ۱۸۸۸ء- ۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء] نے امرتسر میں جلسے کا اعلان کیا، لیکن انھیں جلسے کے منعقد ہونے سے پہلے ہی گرفتار کرلیا گیا۔ احتجاجی جلوس نکلا تو پولیس نے دخل اندازی کر کے بات پتھراؤ، لاٹھی چارج اور گولیوں تک پہنچا دی۔ اہلِ ہند تو خدا جانے کتنے رزقِ خاک بن گئے اور جوابی طور پر پانچ انگریز بھی اس میں کام آئے۔

پھر کیا تھا، شہر کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور فوج کرنل ڈائر [۲] کی قیادت میں نہتے شہریوں کے خلاف صف آرا ہوگئی۔ جلیانوالہ باغ میں احتجاجی جلسہ ہو رہا تھا۔ باغ چاروں طرف سے

---

[۱] چودھری خلیق الزمان، شاہراہِ پاکستان، ناشر: انجمن اسلامیہ پاکستان، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۵۲۷

[۲] کرنل ریجنالڈ ہیری ڈائر (۱۸۶۴ء، مری- جولائی ۱۹۲۷ء سمرسٹ) یہ گورا مری میں 'مری بریوری' شراب کشید کرنے والی کمپنی کے مینیجر کے ہاں پیدا ہوا۔ برطانوی فوج میں بطور افسر شامل ہوا، جسے عارضی طور پر بریگیڈیئر جنرل بنایا گیا تھا، جلیانوالہ باغ، امرتسر میں قتلِ عام کا ذمہ دار تھا، مگر تاجِ برطانیہ کی نگاہ میں ایک ہیرو تھا۔ اہلِ نظر کی رائے ہے: 'ڈائر کے ظلم نے ہند میں برطانوی راج کے خاتمے کا آغاز کیا'۔ تاہم، کلکتہ میں پیدا ہونے والے دوسرے انگریز زادے اور مشہور ادیب ورڈیارڈ کپلنگ (دسمبر ۱۸۶۵ء- جنوری ۱۹۳۶ء) نے ڈائر کی امداد کے لیے ۲۶ ہزار پونڈ کا اعانتی فنڈ بھی قائم کیا۔ کپلنگ پہلا برطانوی تھا جسے ۱۹۰۷ء میں 'نوبیل پرائز' ملا۔

بند تھا، صرف ایک دروازہ کھلا تھا اور اس سے کرنل ڈائر رائفلوں سے مسلح سپاہیوں کے ساتھ دندناتا ہوا داخل ہوا۔ وارننگ کے نتائج واثرات کا بھی انتظار نہ کیا اور اندھادھند فائرنگ شروع کر دی گئی۔ اُس کے اپنے اعتراف کے مطابق ۱۶۹۹ گولیاں چلائی گئیں اور فائرنگ اس وقت بند کی گئی جب اسلحہ ختم ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ۴۰۰ لاشیں تڑپنے لگیں اور ہزار سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ شاید کرنل ڈائر کی ایک بھی گولی خالی نہ گئی۔

بات جلسے تک نہ رہی، پورے شہر کو ظلم و استبداد اور وحشت و درندگی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لوگوں کا گھروں سے نکلنا دوبھر ہوگیا۔ ایک پوری بارات کو جس میں دولہا بھی شامل تھا، بلاوجہ پکڑ کر کوڑوں سے پٹوا ڈالا گیا۔ ریل گاڑی میں ہندستانی باشندوں کے سفر کی ممانعت کر دی گئی۔ عورتوں کی کھلے منہ بے حُرمتی کی گئی۔ امرتسر میں ایک گلی مقرر کی گئی، جس میں سے ہر شخص کو پیٹ کے بل رینگتے ہوئے گزرنا پڑتا تھا۔ جس شخص کو جو گورا نظر آئے، لازم کیا گیا کہ اس کو سلام کرے، ورنہ کوڑے مارے جائیں گے۔ فوج کی طرف سے جو اشتہار لگائے گئے اُن کی حفاظت انھی اہلِ خانہ کے سپرد کی گئی، جن کے گھر کی چہار دیواری پر انھیں آویزاں کیا گیا تھا۔ اشتہار پھٹنے کی صورت میں اہلِ خانہ کے لیے سزا مقرر کی گئی۔ سر فضل حسین [۱۸۷۷ء-۱۹۳۶ء]، خلیفہ شجاع الدین [۱۸۸۷ء-۱۹۵۵ء] اور پیر تاج الدین [۱۸۷۸ء-۱۹۵۴ء] جیسے معززین کے مکانوں پر بھی اس قسم کے اشتہار چسپاں کیے جاتے تھے اور انھیں تمام دن مکان سے باہر کھڑے رہنے کی ذلّت برداشت کرنا پڑتی تھی۔ [۱]

اس سب پر مستزاد، فوجی عدالتیں تھیں، جنھوں نے پلک جھپکتے ہی ۲۹۸ مقدمات کا فیصلہ سنا دیا۔ ۵۱ کو سزاے موت، ۴۶ کو عمر قید، دو کو ۱۰ سال کی قید، ۶۹ کو سات سال کی، ۱۰ کو پانچ سال کی قید بامشقت اور ۱۳۰ کو تین برس سزا دی گئی۔ [۲] پھر 'عدالت' کا جو ڈھونگ رچایا گیا، اس میں یہ جدت بھی کی گئی کہ ملزموں کو وکیل کے ذریعے اپنے دفاع کا حق نہ تھا۔ [۳]

---

۱ عاشق حسین بٹالوی، اقبال کے آخری دو سال، مطبوعہ اقبال اکیڈمی، کراچی، ص ۱۰۲-۱۰۳

۲ چودھری خلیق الزماں، شاہراہِ پاکستان، ص ۳۳۹

۳ اقبال کے آخری دو سال، ص ۱۰۴

جباروں کی یہ فطرت رہی ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے بھی انصاف کے دروازے بند کیا کرتے ہیں۔ انصاف سے ان کی ازلی دشمنی ہوتی ہے! اور یہ بھی ایک دل خراش حقیقت ہے کہ بقول چودھری خلیق الزماں، جلیانوالہ باغ، امرتسر پر حملہ آور جنرل ڈائر کی یہ 'فوج' ۵۰/انگریز سپاہیوں اور ۱۰۰ ہندستانی جوانوں پر مشتمل تھی۔ [۱]

ظالم ظلم کے لیے بھی مظلوموں ہی کے اپنوں میں سے کچھ کو استعمال کرتے ہیں اور ان کو ایسی ذلّت آمیز مدد کرنے والے مل ہی جاتے ہیں۔ اہلِ ہند کے خون سے یہ ہولی صرف امرتسر میں نہیں، پورے ملک میں کھیلی گئی۔ ہم نے صرف ایک واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ ورنہ یہی خونیں کہانی، مسجد شہید گنج، مسجد کانپور، قصہ خوانی بازار، موپلوں کی پوری پوری بستیوں اور بیسیوں جگہ دُہرائی گئی۔

ظالمانہ اقتدار کی 'برکتیں'

پنجاب میں اس خونیں ڈرامے کے علاوہ جو مظالم ہو رہے تھے، ان کے بارے میں نیشنل کانگریس کی ایک کمیٹی نے مفصل رپورٹ تیار کی تھی، جس کا ایک اقتباس یہاں دیا جاتا ہے:

> اوڈوائر [۲] نے قانون تحفظ ہند سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر حددرجہ معمولی اور پیش پا افتادہ عُذر تراش کر کے سیکڑوں آدمیوں کو جیل میں بند کر دیا۔ اُردو اخبارات کا گلا گھونٹ دینے میں کوئی کسر باقی نہ رہی اور بیرونِ پنجاب چھپنے والے قومی اخبارات کی پنجاب میں آمد روک دی گئی۔ حد یہ ہے کہ اُردو کے وہ اخبار جو چھپنے سے پہلے حکومت کے ہاتھوں

---

[۱] چودھری خلیق الزماں، Pathway to Pakistan، لانگ مینز گرین اینڈ کمپنی، پاکستان برانچ، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۴۵

[۲] یہاں ضمناً یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ جلیانوالہ باغ میں فوج کی قیادت جنرل ڈائر نے کی تھی، جب کہ اسی زمانے میں پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر [۱۸۶۴ء-۱۹۴۰ء] تھا۔ یہ ظالم ترین گورنر مئی ۱۹۱۳ء سے مئی ۱۹۱۹ء تک پنجاب کا حکمران رہا۔ پنجاب میں مظالم کے خلاف مقدمات میں برطانوی عدالت نے اسے بری کر دیا۔ ازاں بعد کیکسٹن ہال، لندن میں ایک تقریب میں وہ شریک تھا تو ۱۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے روز ادھم سنگھ [پ: دسمبر ۱۸۹۹ء] کے ہاتھوں بھرے ہال میں گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ ادھم سنگھ نے اوڈوائر کو قتل کرنے کے بعد اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ ''میں نے اس کے مظالم کا بدلہ لیا ہے''۔ ادھم سنگھ کو ۳۱ جولائی ۱۹۴۰ء کے روز پھانسی دے دی گئی۔

باقاعدہ سنسر کیے جاتے تھے، اُن کی اشاعت بھی بند کردی گئی۔ اب پنجاب میں نہ تقریر کی آزادی باقی تھی اور نہ تحریر کی آزادی کا وجود تھا۔ اس قسم کا سکوتِ مرگ طاری کر کے اور اس طرح لوگوں کے قلم اور زبان پر پہرے بٹھا دینے کے بعد اوڈوائر نے گویا یہ سمجھ لیا تھا کہ پنجاب کے باشندے اس کے زیرسایہ بالکل مطمئن اور خوش حال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ [1]

یہ تھا وہ سلوک جو اس ملک کے باشندوں کے ساتھ سامراجی حکمران کر رہے تھے۔ ظلم کا یہ خونیں ڈراما پورے ملک میں کھیلا جارہا تھا۔ غم کسی ایک غنچے کا نہیں، رونا پورے گلستان کا تھا۔ ظلم و استبداد کی آکاس بیل پورے چمنِ ہند پر چھا گئی تھی اور اہلِ نظر خون کے آنسو رو رہے تھے۔

4

ظلم و استبداد کی یہ خوں چکاں داستان بڑی دل خراش بھی ہے اور نہایت عبرت انگیز بھی۔ لیکن اس کا ایک پہلو اتنا شرم ناک ہے کہ شیطان بھی اس پر عش عش کر اُٹھا ہوگا۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ استبداد اور ظلم تاویلات کے ریشمی لبادے اُوڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ظالم ہمیشہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں: جو کچھ ہم کر رہے ہیں، وہ عوام ہی کے فائدے اور بھلائی کی خاطر کر رہے ہیں۔ جو طریقِ حکمرانی انھوں نے اختیار کیا ہے وہ ملک کے حالات اور لوگوں کے مزاج کے بالکل مطابق ہے۔ صرف انھی کا بنایا ہوا نظام حقائق سے مطابقت رکھتا ہے اور جو کوئی ان کے ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے یا ان کے طریقے سے اختلاف کرتا ہے، وہ شرپسند، فسادی، ملک دشمن اور سولی چڑھا دینے کے لائق ہے۔ آزادیوں پر پابندی بے حد ضروری ہے۔ جمہوریت کے لیے فضا سازگار نہیں ہے، حقوق کی بحث محض مفاد پرستوں کی اُٹھائی ہوئی ہے۔ انتخابات اور عوام کے حق راے دہی کے مطالبے محض سیاسی ڈھکوسلے ہیں۔ نمایندہ اداروں میں عوام کے منتخب اور معتمدعلیہ لوگوں کو لیے جانے کے مطالبے محض خودغرضی پر مبنی ہیں اور سیاسی انتشار پیدا کرنے کے لیے ہیں اور ان سب باتوں کا مقصد حکومت کے وقار اور

---

[1] اقبال کے آخری دو سال، ص ۴۹-۵۰

حقِ حکمرانی کو مجروح کرنا ہے۔ اصل مسئلہ نہ آزادی سے متعلق ہے اور نہ حقوق، نمایندگی، انتخابات یا جمہوریت سے کچھ تعلق رکھتا ہے۔ اصل ضرورت تو بس مضبوط حکومت اور معاشی ترقی اور خوش حالی کی ہے، اور ساری سیاسی فتنہ انگیزی صرف اس لیے ہے کہ توجہ ان اصل اُمور سے ہٹ کر آزادی اور سیاسی حقوق جیسے لایعنی نعروں پہ لگ جائے اور انتشار رُونما ہو!

ظالم اپنے ظلم کے لیے ایسی ہی تاویلیں تراشتے ہیں، جن کی بنیاد پر ان کا اقتدار استبداد پر قائم ہو۔ اپنی ہر زیادتی کے لیے وہ ایسے ہی جواز پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر دلیل سے ذلیل حرکت کو خوش نما بنا کر پیش کرنے ہی کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسروں کی نیتوں پر بے دریغ حملے کرتے ہیں اور آزادی، جمہوریت اور عوامی اصلاح کی ہر تحریک کی مخالفت کرتے ہیں، اس کا مذاق اُڑاتے ہیں، اس کا راستہ روکتے ہیں، اسے نقصان دہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نظامِ ظلم ہی میں عوام کے لیے 'خیر وفلاح' کے پہلو نکال نکال کر دکھاتے ہیں۔

یہ ہے وہ ذہن، جس سے سامراجی حکمرانوں نے اس ملک پر ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک حکومت کی، اور جب حالات سے تنگ آ کر انھیں اقتدار چھوڑنا پڑا، تب بھی وہ ملک پر احسان رکھ کر رخصت ہوئے۔ آیئے، سامراجیوں، جباروں اور ظالموں کے ذہن کے اس پہلو پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالیں، تاکہ تاریخ برعظیم کا یہ گوشہ بھی ہمارے سامنے آجائے۔

'ظلم نہیں، محض ادائے فرض'

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ظالم جو کچھ بھی کرتا ہے، وہ یہ باور کرانے پر زور لگاتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ 'احساسِ فرض' سے مجبور ہوکر کرتا ہے، جو بالکل صحیح ہوتا ہے۔ اس سے غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ سارا کھیل کھیلتا ہے اور اسی میں دوسروں کی فلاح سمجھتا ہے۔ دیکھیے جنرل ڈائر، جلیانوالہ باغ کے خونیں ہنگامے کی تحقیقات کرنے والی 'ہنٹر کمیٹی' کے سامنے شہادت دیتے ہوئے کیا کہتا ہے؟

سوال: مسٹر جسٹس رنکن: معاف کیجیے جنرل، اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ کی جلیانوالہ باغ میں کل کارروائی خوف و ہراس پھیلانے کے لیے کی گئی تھی، تو؟

جواب: جنرل ڈائر: نہیں، بالکل ایسا نہیں تھا۔ مجھے ایک بہت اندوہناک فرض

(duty) ادا کرنا تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ جو کچھ میں نے کیا وہ ایک رحم دلانہ اقدام (merciful thing) تھا۔ کیوں کہ مَیں سمجھتا تھا کہ مجھ کو گولی چلانی ہے اور سخت گولی چلانی ہے تاکہ میرے بعد کسی اور کو گولی چلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ میں مجمعے کو گولی چلائے بغیر منتشر کر دیتا، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ تھوڑی دیر بعد دوبارہ جمع ہوجاتے اور ٹھٹھے لگاتے اور میں بے وقوف بن کر رہ گیا ہوتا۔ [1]

واقعی لوگوں کو ہنسنے کا موقع دینے سے بڑا 'جرم' اور کیا ہوسکتا ہے؟ جو کام خون کی ایک بوند بھی بہائے بغیر ہوجائے، اس سے بھلا شانِ حکمرانی کا اظہار کہاں ہوسکتا ہے؟ اور پھر کمزور اور بے وقوف عوام، صاحبِ اختیار حکمرانوں کا مذاق اُڑائیں، یوں انھیں بے وقوف بنائیں؟ ان کا تو علاج ہی یہ ہے کہ ان کو توپ سے اُڑا دیا جائے، گولیوں کی بوچھاڑ سے بھون ڈالا جائے تاکہ یہ سر اُٹھانے کے لائق ہی نہ رہیں، اور یہ 'رحم دلانہ' کام احساسِ فرض کے ساتھ انجام دو، کہ خون میں تڑپتی ہوئی لاشوں کا رقص، نہتے اور پُرامن انسانوں کی ہنسی ٹھٹھے سے زیادہ خوش کن ہوتا ہے۔ جب تک پانی کی جگہ خون نہ بہالیا جائے، ظالم کی پیاس نہیں بجھتی!

'جمہوریت کے لیے ناموزوں'

پھر سامراجی حکمران اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ملک جمہوریت کے لیے قطعاً ناسازگار ہے۔ عوام میں اتنا شعور نہیں کہ اپنا مفاد خود سمجھ سکیں۔ اس لیے انھیں 'سیاسی مائی باپ' کی ضرورت ہے، جو ان ناپختہ، ناسمجھ، نابالغ اور آسانی سے گمراہ ہوجانے والے عوام کو ان کا 'بھلا' سمجھائے اور یہ سمجھیں یہ نہ سمجھیں، مگر حکمران انھی کے 'بھلے' کے لیے سرگرمِ عمل ہوجائیں اور زبردستی ان سے وہ کچھ کرائیں، جسے یہ اپنی نادانی میں بُرا سمجھ رہے ہیں۔ اصل 'خیرخواہ' تو وہی ہے، جو نادانوں کی بات کو نظرانداز کرکے وہی کرے، جو اس کے خیال میں ان کے لیے بہتر ہے۔

یہی ہے وہ راگ جو سامراجی دورِ استبداد کے حکمران برابر الاپتے رہے، ملک اور ملک سے باہر ان کے ہم نوا دانش ور، مفکر، مصلح، معلم اور صحافی سب اس آواز میں آواز ملاتے رہے۔ یہاں صرف چند نمایندہ مثالیں دی جاتی ہیں، ورنہ اس پہلو سے تو اتنا مواد ہے کہ اس سے متعدد کتابیں

---

[1] چودھری خلیق الزماں، شاہراہِ پاکستان، ص ۳۳۹-۳۴۰

تیار ہوسکتی ہیں۔

برطانیہ کے مشہور آزاد خیال مدبر جان مورلے [۱۸۳۸ء-۱۹۲۳ء] نے بیان دیا: ''ہندستان کے لیے جمہوریت قطعاً مفید نہیں، صرف مستقبل قریب ہی میں نہیں بلکہ میں تو صاف دیکھتا ہوں کہ مستقبل بعید میں بھی اس کا کوئی امکان نہیں کہ یہ خطّۂ زمین جمہوریت کے لیے سازگار ہوسکے''۔ [۱]

برطانیہ کے استعماری اور آمرانہ ذہن کا بہترین ترجمان پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر تھا۔ اس کی تمام تقاریر وتحریریں ایک استبدادی ذہن کی آئینہ دار ہیں۔ ہم چند اہم قومی مواقع پر اس کی تقاریر سے بطورِ نمونہ دو چار اقتباس پیش کرتے ہیں، تاکہ ظالم سامراجی حکمرانوں کا ذہن پوری طرح بے نقاب ہوجائے۔ اس سے ان کے استدلال کے طریقے، عوامی تحریکات اور مطالبات پر ان کا ردعمل اور لوگوں کو مطمئن کرنے (یعنی بے وقوف بنانے یا دراصل خود بے وقوف بننے) کے حربے بے نقاب ہوتے ہیں۔

'استحکام' نہ کہ، عوامی نمایندگی

گورنری کے عہدے پر متمکن ہونے کے بعد اوڈوائر نے حالات کا جائزہ لیا، تو آزادی اور جمہوری اختیارات کی تحریک اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھی اور اس نے طے کرلیا کہ وہ حکومتی استحکام اور عوام کی فلاح کا ایک فلسفہ گھڑ کر تحریکِ آزادی کے چہرے پر کالک مل کر رہے گا۔ ایسی کسی چیز کو برداشت کرنا نظامِ ظلم کی فطرت کے خلاف ہے لیکن ظالموں اور فرعونوں میں اتنی اخلاقی جرأت کہاں کہ صاف صاف اس کا اعتراف کریں۔ اب یہاں دیکھیے انگریز گورنر اوڈوائر کی نکتہ آفرینیاں:

> مجھے صوبائی حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ میرے پاس بعض لوگوں نے ایسی تجاویز بھیجنا شروع کردی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ آیندہ اس صوبے کے نظم ونسق میں کیا کیا اصلاحات ہونی چاہییں۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ حکومتِ خود اختیاری کے حصول کے لیے عوام جو اُمیدیں اور آرزوئیں قائم کیے بیٹھے ہیں، مجھے ان کی پذیرائی کیونکر کرنی چاہیے۔ عدالتی اور انتظامی اُمور کو

---

[۱] جواہر لال نہرو، The Discovery of India، ص ۵۰۰

ایک دوسرے سے الگ کر دینے کی بھی تحریک ہو رہی ہے۔ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی خیالی اور غیر حقیقی باتیں اپنی جگہ کتنی ہی دل کش اور جاذبِ نظر کیوں نہ ہوں، اَمرِ واقعہ یہ ہے کہ حکومت کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ عوام کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ اگر یہ مختلف تجویزیں [یعنی جمہوری تقاضوں کی تجاویز] بھیجنے والے لوگ مجھے یہ بتاتے کہ حکومت کو اپنے اصل مقصد سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کون سے بہتر ذرائع اختیار کرنے چاہییں، تو وہ اپنی قوم اور صوبے پر زیادہ احسان کرتے۔ [1]

'تنہا حاکمِ اعلیٰ'

جب اس 'قیمتی نصیحت' کا کوئی خاص اثر نہ ہوا اور جمہوری اداروں کا مطالبہ بڑھتا چلا گیا، عوام کی نمایندگی کے لیے ہر طرف سے آوازیں اُٹھنے لگیں اور گورنر سے نمایندہ انتظامی کونسل کی ضرورت پر شدت سے اصرار کیا جانے لگا، تو اوڈوائر صاحب کو سخت غصہ آیا اور وہ 'استحکام' اور 'ترقی' کا سہارا لے کر عوام پر یوں برسے:

مجھے یہ تجویز سن کر بے حد تعجب ہوا ہے۔ اس صوبے کے لوگ ابتدا سے لیفٹیننٹ گورنر کو صوبے کا تنہا حاکمِ اعلیٰ اور یہاں کے نظم و نسق کا بلاشرکت غیرے واحد ذمہ دار سمجھنے کے عادی ہیں۔ اس نظام کے تحت پنجاب نے خوب ترقی کی ہے اور مَیں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ اس ضمن میں پنجاب، ہندستان کے کسی صوبے سے پیچھے نہیں رہا۔ پھر بتایئے کہ انتظامی کونسل کی کیا ضرورت ہے؟ [2]

گویا کہ فی الحقیقت ایسے 'استحکام' اور ایسی 'ترقی' کی موجودگی میں نمایندہ کونسلوں، اور جواب دہ اداروں کے مطالبے کا مقصد بجز 'انتشار' پھیلانے کے اور کیا ہوسکتا ہے!

آہ! دیہاتی! سیاست چھوڑ

بات انتظامی کونسل ہی کے مطالبے پر نہ رُکی، بلکہ نمایندہ قانون ساز اسمبلی، آزاد انتخابات

---

[1] اقبال کے آخری دو سال، ص ۳۴-۳۵

[2] ایضاً، ص ۳۷